بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱
جب بادبانِ کشتیٔ شاہِ اُمم گرا یعنی زمیں پہ فوجِ خدا کا علم گرا
گھوڑے سے واں برادرِ عالی ہمم گرا یاں فاطمہؑ کے لال پہ کوہِ الم گرا
صدمہ ہوا یہ دل پہ امامِ انام کے
خم ہوگئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

۲
بجتا تھا واں سپاہ میں نقّارۂ ظفر ماتم تھا نوجوانیٔ عباسؑ کا اِدھر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر اکبرؑ کھڑے تھے سامنے چُپکے جھکائے سر
پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
چہرہ تھا سرخ، آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے

۳
اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ باقی ہے کوئی اور کہ بس ہوچکی سپاہ
عباسؑ سا تو اب کوئی ہوگا نہ خیر خواہ بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
چُننے دو گُل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچایئے گا کلیجے کو داغ سے

دنیا سے کوچ کرگئے عباسِؑ نامدار ۴ اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار
حضرت کا شکر و صبر ہے عالم پہ آشکار مثلِ خلیلؑ کیجیے فرزند کو نثار
آہیں نہ بھریے، پیٹ کے سر کو نہ روئیے
جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے، داغِ پسر ہے اور ۵ بازو کا درد اور ہے، دردِ جگر ہے اور
قوّت بدن کی اور ہے، نورِ نظر ہے اور سینے کا زخم اور ہے، دردِ کمر ہے اور
گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجئے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجئے

دشوار ہے اگر غمِ فرزندِ نوجواں ۶ مرنے کو آپ آیئے یا قبلۂ زماں
مشتاق تیر ہیں تبر وخنجر وسناں جان اپنی دیجئے جو ہے پیاری پسر کی جاں
اصغرؑ سے کچھ غرض ہے نہ اکبرؑ سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے

حضرت نے مسکرا کے نظر کی سوئے پسر ۷ نعلینِ عرش سا پہ جھکا یا پسر نے سر
فرمایا کیا ارادہ ہے اے غیرتِ قمر کی عرض اذن دیجئے یا شاہِ بحر و بر
عباسؑ کے فراق نے مارا غلام کو
بس اب نہیں ہے صبر کا یارا غلام کو

شہ نے کہا خوشی ہے بہر حال خاکسار ۸ تم سے جو سَو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
پر میں نہ دوں گا رخصتِ میدانِ کارزار اس امر میں تمہاری پھوپی کو ہے اختیار
راضی ہوں وہ تو داغ انھیں دے کے جایئے
پالا ہے جس نے اُس سے رضا لے کے جایئے

روکوں گا میں تمھیں، یہ نہ کیجو کبھی خیال ۹ صابر خدا کی راہ میں ہے فاطمہؑ کا لال
صدقے ہے نورِ عین، تصدّق ہے جان و مال طفل و جوان و پیر کا حافظ ہے ذوالجلال
ماں کون، باپ کون، عطا کبریا کی ہے
اولاد ہے تو کیا ہے، عنایت خدا کی ہے

سَو طرح کا ملال ہوا میں نے کچھ کہا؟ ۱۰ بے جاں حسنؑ کا لال ہوا، میں نے کچھ کہا؟
بھائی کا انتقال ہوا، میں نے کچھ کہا؟ سب باغ پائمال ہوا، میں نے کچھ کہا؟
آنکھوں کا نور جائے کہ گھر بے چراغ ہو
حاضر دل و جگر ہے، تمھارا بھی داغ ہو

خیمے میں آئے روتے ہوئے اکبرِ حزیں ۱۱ چھاتی لگایا ماں نے، پھوپی نے بلائیں لیں
اک آہِ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبیں نرغے میں ظالموں کے اکیلے ہیں شاہِ دیں
روتے ہیں غیر سیّدِ والا کے حال پر
امّاں مقامِ رحم ہے بابا کے حال پر

اعدا کا ظلم، بھائی کا غم، تین دن کی پیاس ۱۲ بازو شکستہ، ضعفِ بصارت، ہجومِ یاس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہِ دیں کے پاس اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ، زہے حواس
گھیرے ہیں سب امامِ غریبُ الدّیار کو
تنہا کھڑے ہیں تولے ہوئے ذوالفقار کو

تنہا کہاں امام، کہاں وہ ہجومِ عام ۱۳ میں یاں ہوں، اب تو اور بڑھی ہوگی فوجِ شام
فریاد ہے کوئی نہیں آتا ہمارے کام مٹتا ہے صفحۂ دو جہاں سے پدر کا نام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوندِ خاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب ۱۴ اچھا مریں گے بعدِ شہِ آسماں جناب
ہم بھی نہیں اگر نہیں فرزندِ بوتراب ذرّہ کہاں، غروب ہوا جب کہ آفتاب
دنیا کا نور نیّرِ اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہِ عالم کے ساتھ ہے

جب گھر لُٹا تو شوکتِ شاہانہ پھر کہاں ۱۵ صاحب نہ ہو تو رونقِ کاشانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہو روشنیٔ خانہ پھر کہاں گُل ہوگئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں
ہم ہوں جہاں میں، دلبرِ ختمِ رُسُل نہ ہو
بلبل کی زندگی کا مزا کیا جو گُل نہ ہو

دنیا سے جلد ہم کو اٹھا لے ہمارا رب ۱۶ آغوشِ قبر میں ہو الٰہی ہمیں یہ شب
صدقے ہوں غیر سبطِ نبی کے قدم پہ سب بیٹا مدد نہ کر سکے بابا کی ہے غضب
مانع ہیں آپ اور پھوپی سدِّ راہ ہیں
میرا قصور کچھ نہیں، زہرؑا گواہ ہیں

مجھ کو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں ۱۷ راہِ خدا میں فوج سے تنہا وغا کروں
سر سے حقوقِ والدِ ماجد ادا کروں مالک مِرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں
واں 'اِقْتُلُوا الْحُسَیْن' کا اعدا میں شور ہے
پر کچھ ہمارا پالنے والوں سے زور ہے

تم دونوں صاحبوں سے مِرے اب ہیں دو سوال ۱۸ اوّل تو یہ کہ دیجے مجھے رخصتِ جدال
رکھ لیجے آبروئے پسرِ بہرِ ذوالجلال آگے مِرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال
لِلّٰہ ہاتھ اٹھایئے اب نورِ عَین سے
امّاں ہمیں عزیز نہ کیجے حسینؑ سے

۱۹
جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول
نے جائیں گے نجف، نہ سوئے روضۂ رسولؐ یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول
جنگل کی راہ لیں گے گریباں کو پھاڑ کے
کافی ہیں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

۲۰
کہہ دیجیو نہ آئیں گے اب وہ کبھی اِدھر پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مِری خبر
کچھ اُن سے ہوسکی نہ مددگاریٔ پدر صدقے امامِ دیں پہ ہوئے سارے ناموَر
بستی بسا کے رن میں شہِ کربلا رہے
کنبے سے منہ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

۲۱
بنتِ علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ
گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ بھاوج کے منہ پہ یاس سے زینبؑ نے کی نگاہ
بنتِ علیؑ تو خاک پہ تھرّا کے گر پڑی
بانوؑ پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی

۲۲
بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر ان کو اٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر
زینبؑ پکاریں چھوڑ کے ہم کو چلے کدھر مجھ کو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر
اچھا رضا حسینؑ سے لے لو تو جائیو
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو

۲۳
اللہ، واری، بھول گئے سب ہمارا پیار کیوں پالنے کا حق یہی ہوتا ہے میں نثار
بن بیاہے تم ابھی تو ہو اے میرے گلعذار قدرت خدا کی، اب نہیں کچھ ہم کو اختیار
سہرا دکھا کے مادرِ پُر غم کو چھوڑیو
آ لے دلھن تو صدقے گئی ہم کو چھوڑیو

مرتے ہیں اشتیاق میں وہ دن خدا دکھائے ۲۴ یہ دائی اپنے ہاتھ سے دولھا تمھیں بنائے
غل ہو کہ لو حسینؑ بہو گھر میں بیاہ لائے اچھا، نہ ہم سے آنکھ ملانا، دلھن تو آئے
جیتے ہیں گر تو حسرتِ دل یوں نکالیں گے
اب ہم تمھاری طرح سے پوتے کو پالیں گے

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر ۲۵ کرتا وہ پہنے دوڑتے پھرنا اِدھر اُدھر
یاد آتی ہیں وہ ہنسلیاں، وہ کان کے گہر یا آج تیغ ہاتھ میں ہے، دوش پر سپر
غازی ہو، صف شکن ہو، سعادت نشان ہو
کیا کام ہم سے، نامِ خدا اب جوان ہو

دادا کا مرتبہ دے تمھیں ربِّ ذوالجلال ۲۶ قائم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
قابل ہے رحم کرنے کے واری ہمارا حال بچپن کی دائیوں کا بھی رکھتے ذرا خیال
کس سے ہو پھر امید اگر تم سے یاس ہو
اب تو تمھیں ہمارے بُڑھاپے کی آس ہو

دنیا میں کوئی شخص لگاتا ہے گر شجر ۲۷ ہوتی ہے یہ امید کہ دے گا کبھی ثمر
بالفرض یہ جہاں میں نہ پھولے پھلے گا گر خوش ہوں گے اس درخت کے سائے میں بیٹھ کر
کچھ تو ملے ہمیں بھی ثمر اس نہال کا
صدقے گئی ریاض ہے اٹھّارہ سال کا

قوت تمھیں ہو دل کی تمھیں پارۂ جگر ۲۸ یہ بھی خبر نہیں مجھے کب مر گئے پسر
لاشیں بھی گھر میں آئیں تو پیٹا نہ میں نے سر میں کہتی تھی جیے یہ مِرا غیرتِ قمر
اکبرؑ تو ہے، اگر مِرے پیارے نہیں نہیں
روشن ہے گھر میں چاند، ستارے نہیں نہیں

سر چوب سے پٹک کے کہا وا محمداً ۲۹ باتیں یہ کرکے منہ پہ لیا گوشۂ رِدا
کی عرض رو کے اے پھوپی امّاں کروں میں کیا بس گر پڑا پھوپی کے قدم پر وہ مہ لقا
میں بے وفا نہیں ہوں یہ روشن ہے آپ پر
نرغہ ہے فوج کا مِرے مظلوم باپ پر

اچھا، نہ جائیں گے سُوئے میدانِ کارزار ۳۰ منہ سے ہٹائیے تو ردا بہرِ کردگار
میں کون، صدقے جاؤں تمھیں کو ہے اختیار چادر ہٹا کے منہ سے، یہ بولی وہ دل فگار
اصغرؑ ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے یاس ہے
رخصت گلا کٹانے کی لو، ماں تو پاس ہے

ماں نے کیا اشارہ کہ اے غیرتِ قمر ۳۱ اکبرؑ نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
قربان جاؤں عذر کرو ہاتھ باندھ کر تم سے پھوپی خفا ہیں جھکا دو قدم پہ سر
سر کی نہ کچھ خبر ہے، نہ چادر کا ہوش ہے
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

تقصیر عفو کیجئے اے خواہرِ امام ۳۲ جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
میری تو ماں ہے آپ، مجھے کیا کسی سے کام بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام
بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے
راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

اور وہ علی الخصوص کہ جو ہوئے نوجواں ۳۳ انصاف کیجئے کسے پیاری نہیں ہے جاں
روتے ہیں پیر بھی جو چھُٹے گلشنِ جہاں کرتا ہے کوئی باغ جوانی کا رائیگاں
لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہے
عزت پہ بات آئے تو مرنا ہی خوب ہے

۳۴ اکبرؑ نے یہ کلام کیے جب بہ صد ادب الفت کا جوش آ گیا بنتِ علیؑ کو تب
لے کر بلائیں چہرے کی بولی وہ تشنہ لب کُڑھتے ہو کس لئے، میں تمھیں روکتی ہوں کب
سچ ہے جہاں میں تم سا کوئی باوفا نہیں
واری تمھارے سر کی قسم میں خفا نہیں

۳۵ کیوں کانپتے ہو، اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں تم راست گو ہو، سچ ہے تمھارا یہ سب بیاں
لو میں نے دی رضا تمھیں اے میرے نوجواں تم جانو آ گئے، صدقے گئی یہ تمھاری ماں
یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے

۳۶ جس شب کو رونے لگتے تھے سوتے سے چونک کر گودی میں لے کے تم کو یہ پھرتی تھی تا سحر
دشمن تمھارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر بس جاگنا تھا اور دعائیں تھیں رات بھر
جب تم کراہتے تھے، یہ غش کھا کے گرتی تھی
جھولے کے گرد صورتِ پروانہ پھرتی تھی

۳۷ آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے تلووں سے اس نے دیدۂ حق بیں سدا ملے
نازوں سے، منّتوں سے، مرادوں سے تم پلے صدقے ہوئی کبھی، تو لگایا کبھی گلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے
برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے

۳۸ بانوؑ نے ہاتھ جوڑ کے زینبؑ سے یہ کہا صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
اس قافلے میں آپ ہیں اب فاطمہؑ کی جا میں نے بھی دی، جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
صدقے ہے یہ بھی صورتِ پروانہ آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

۳۹ لے لیں بلائیں بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر
بولی لپٹ کے بالی سکینہؑ کہ اے پدر بانوؑ بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
سنتی تھی میں کہ رن سے علمدار آتے ہیں
لو اب تو گھر سے نہر پہ بھیّا بھی جاتے ہیں

۴۰ کیوں سچ ہے، تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا بانوؑ کے منہ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
کہیے پھوپی بھتیجے میں کیا فیصلہ ہوا وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہُدا
راہیں سب ان کے روکنے کی بند ہوگئیں
سنتا ہوں میں کہ تم بھی رضامند ہوگئیں

۴۱ امّاں نے بھی رضا ہمیں دی اور پھوپی نے بھی ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی
آقا سوال رد نہیں کرتے کبھی سخی زہرؑا کی وہ بہو ہیں تو یہ دخترِ علیؑ
رویا جو میں تو ماں نے گلے سے لگالیا
مرنے کا اذن دے کے پھوپی نے جلالیا

۴۲ مجھ سے ہوں سَو پسر تو کریں آپ پر نثار عاشق ہیں یہ حضور کی یا شاہِ نامدار
وہ ہاجرؑا کا فخر، یہ مریمؑ کا افتخار دیکھی ہیں کس نے بیبیاں ایسی فلک وقار
سب فاطمہؑ کا صبر ہے خُو ہو تو ایسی ہو
بیٹی ہو اس طرح کی، بہو ہو تو ایسی ہو

۴۳ نامِ خدا، زبان کی طاقت تو دیکھیے ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھیے
ہر بات میں ثبوتِ اجازت تو دیکھیے زینبؑ یہ بولیں ذہن کی جَودت تو دیکھیے
کیا بات بھائی ان کی بھلا بول چال کی
گویا زباں ہے مصحفِ ناطق کے لال کی

تم دوگی رخصت ان کو مجھے یہ نہ تھا یقیں ۴۴ رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امامِ دیں
آیا تھا اتنی عمر ہی لے کر یہ مہ جبیں سچ ہے اجل سے کچھ کسی انساں کا بس نہیں
بے جا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہیں
اے بنتِ فاطمہؑ، یہ کرشمے قضا کے ہیں

رونا ہے بے حُصول کہ ہے سعیِ بے محل ۴۵ آیا بِنائے ہستیٔ انساں میں جب خلل
روؤ کہ خاک اُڑاؤ، نہیں چھوڑتی اجل جاتا ہے کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل
نے فاطمہؑ رہیں، نہ امیرِ عرب رہے
ہم شکل جن کے یہ ہیں، وہ دنیا میں کب رہے

پوشاک تو پہنیے، یہ کپڑے اُتاریئے ۴۶ رو کر کہا پسر سے کہ اچھا سدھاریئے
شانہ منگا کے گیسوئے اکبرؑ سنواریئے زینبؑ سے بولے ہاتھ نہ سینے پہ ماریئے
لے آؤ مصطفیٰؐ کی قبا ان کے واسطے
خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

پروان آج چڑھتا ہے صاحب یہ مہ لقا ۴۷ آنسو بہا کے بانوئے ناشاد نے کہا
ارمان تھا بہت تمھیں اکبرؑ کے بیاہ کا لاؤ عمامۂ شبِ معراجِ مصطفیٰؐ
جاتے ہیں برچھیوں میں انھیں دیکھ بھال لو
دولھا بنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو

اکبرؑ یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بہ درد و یاس ۴۸ کشتی میں لائی بنتِ علیؑ بیاہ کا لباس
تازہ ابھی ہے ماتمِ عباسؑ حق شناس کپڑے تو یہ نہ پہنوں گا میں اے فلک اساس
ہیں سوگوار، ہاتھ میں رومال دیجیے
گودی میں لا کے شالِ عزا ڈال دیجیے

عریاں پڑے ہیں عونؑ و محمدؑ سے گلبدن ۴۹ محتاجِ قبر ہے ابھی لختِ دلِ حسنؑ
عباسِؑ نامدار نے پایا نہیں کفن ہم کس طرح سے پہنیں یہ شادی کا پیرہن
بھائی کے غم میں چاک گریباں ہے شاہ کا
مرکر کفن ملے، یہی جوڑا ہے بیاہ کا

قاسمؑ کی ماں پکاری کہ ہے ہے مِرے پسر ۵۰ تڑپی یہ سن کے زوجۂ عباسِؑ نامور
بیٹوں کے غم سے ہل گیا زینبؑ کا بھی جگر کبریٰؑ نے آہِ سرد بھری اک جھکا کے سر
'فریادشاہِ دیں' کی صدا تافلک گئی
عمّو کا حال سن کے سکینہؑ بلک گئی

بانوؑ پکاری اے مرے گُل پیرہن چلے مطلع-۲ جب بہرِ جنگ اکبرِ شیریں سخن چلے
پیچھے جواں پسر کے امامِ زمن چلے ۵۱ واری اُجاڑ کرکے ہمارا چمن چلے
پردہ اٹھا جو خیمۂ گردوں پناہ کا
اک برج سے طلوع ہوا مہر و ماہ کا

آنکھوں سے اشک قبلۂ کونین نے بہائے ۵۲ خُدّام تازیٔ علی اکبرؑ کو در پہ لائے
چلّائے شہ کہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؑ قریب آئے
اللہ کتنا شوقِ شہادت ہے آپ کو
دوچار گام ساتھ تو چلنے دو باپ کو

اے لال قبر تک تمھیں پہنچا تو دے پدر ۵۳ دنیا سے کوچ کرتا ہے تم سا جواں پسر
تکلیف ہوگی آپ کو یا شاہِ بحروبر جھک کر قدم کی سمت یہ بولا وہ نامور
رونے کو ضبط کیجے، جگرکو سنبھالیے
ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالیے

شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو گھر کہاں ۵۴ بیٹا نہ ہو تو لطفِ حیاتِ پدر کہاں
بے وقت تم کو روئیں نہ، ایسا جگر کہاں خود بے خبر ہیں، ہم کو کسی کی خبر کہاں
گھر تھامے کون، تم تو کمر توڑے جاتے ہو
ہم کو سنبھالنے کو کسے چھوڑے جاتے ہو

فرزند نے جو رُوحِ محمدؐ کی دی قسم ۵۵ بس تھر تھرا کے بیٹھ گئے قبلۂ اُمم
منہ دیکھ کر پسر کا یہ بولے بہ چشمِ نم اچھا سدھارو، خیر نہ جائیں گے ساتھ ہم
پھر اس طرف کی راہ اُدھر جا کے لیجیو
مرجائیں ہم تو جلد خبر آ کے لیجیو

روتا ہوا بڑھا سوئے مقتل وہ گل بدن ۵۶ گویا چڑھے براق پہ محبوبِ ذوالمنن
گھوڑا سجا ہوا تھا بہادر کا یا دلھن ہر گام پر دکھاتا تھا طاؤس کا چلن
آہو خجل تھے، کبکِ دری کو حجاب تھا
دریا پہ موج تھا، تو ہوا پر عقاب تھا

پہنچا عجب شکوہ سے رن میں وہ مہ جبیں ۵۷ کوسوں فروغِ حُسن سے روشن ہوئی زمیں
آئے رسولِ حق، یہ ہر اک کو ہوا یقیں غل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسفؑ سے بھی حسیں
تصویر سر سے تا بہ قدم مصطفیٰؐ کی ہے
اِس حُسن کے بشر بھی ہیں، قدرت خدا کی ہے

مثلِ کماں کشیدہ ہیں ابروئے بے نظیر ۵۸ ارجن بھی جس سے سہم کے ہوجائے گوشہ گیر
سر بر نہ ہونے دیں گے عدو کو مژہ کے تیر ہیں اس کمان و تیر پہ قرباں جوان و پیر
قربان چشمِ سرمہ کشیدہ کی شان پر
چلّہ چڑھا ہوا ہے کیانی کمان پر

۵۹ گیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں کمند ہے جلوۂ جبینِ مبیں چاند سے دوچند
پایا ہے ابروؤں نے عجب رتبۂ بلند زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے پسند
ہے عین راستی پہ کجی دل نواز ہیں
آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ ملے سرفراز ہیں

۶۰ کیفیتِ رحیقِ محبت سے ہیں یہ مست آنکھوں کو عین کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست
عینُ الکمال سے انھیں پہنچے نہ تا شکست صانع نے کردیا صفِ مژگاں کا بند وبست
مردُم میں روشنی ہے اسی نورِ عین سے
دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسینؑ سے

۶۱ کہتا ہے حُسن خود کہ نثار اس شباب کے ہم شکل ہیں جنابِ رسالت مآبؐ کے
رخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ لکّے سحاب کے
دونوں سے نور میں مہ وخورشید ماند ہیں
زلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کے چاند ہیں

۶۲ اُڑتا ہے غنچہ و سمن و یاسمن کا رنگ گلزارِ حُسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ
رنگیں بیاں ہیں، سب سے جدا ہے سخن کا رنگ شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ
بلبل بھی مدح خواں چمنِ مرتضیٰؑ کی ہے
غنچے سے پھول جھڑتے ہیں قدرت خدا کی ہے

۶۳ بجلی چمک رہی ہے بدخشاں میں باربار اللہ رے نورِ گوہرِ دندانِ آبدار
ہیں گوہرِ خزینۂ محبوبِ کردگار الماس صدقے حاصلِ بحرِ عدن نثار
دولت ملی ہے اکبرِ شیریں مقال کو
ان موتیوں سے عشق ہے زہراؑ کے لال کو

روشن ہے دشت گردنِ نازک کے نور سے　۶۴　فی الواقعی فزوں ہے ضیا شمعِ طور سے
موسیٰؑ دکھاتے ہیں یدِ بیضا کو دُور سے　　شیشہ بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے
گردن بھی بے عدیل، گلا بے مثال ہے
تکمہ سُہیل ہے، تو گریباں ہلال ہے

ظاہر ہیں ان کے ہاتھوں کی زور آزمائیاں　۶۵　مثلِ علیؑ کریں گے صفوں کی صفائیاں
سرکی ہیں دم میں بدر و احد کی لڑائیاں　　زورِ یداللّٰہی سے بھری ہیں کلائیاں
بالا رہا ہے سب سے جہاں میں علیؑ کا ہاتھ
پہنچے یہ واں جہاں نہیں پہنچا کسی کا ہاتھ

سینہ خزینۂ کرم و عدل و داد ہے　۶۶　ہاں لاکلام مصحفِ ربِّ عباد ہے
جو رطب و یابس اس میں ہے سب ان کو یاد ہے　　ایمان جانتا ہے جو خوش اعتقاد ہے
دولت جو نوحؑ کی ہے سفینے میں اِن کے ہے
جو طُور پر ضیا تھی وہ سینے میں ان کے ہے

وہ سینہ جس کا مصحفِ اکبر مشبّہ بہٖ　۶۷　نیزے لگائیں اس پہ لعیں سب، غضب ہے یہ
بیداد برچھیوں کی ہو، تیروں کا برسے مینہ　　سوراخ ہو بدن کی قبا صورتِ زِرہ
دیندار آنکھیں ملتے ہیں دستِ فقیہہ پر
کیا ہاتھ تھے اٹھے جو نبیؐ کی شبیہہ پر

کس طرح کوئی وصفِ سراپا کرے رقم　۶۸　جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
قطرہ کہاں، کہاں صفتِ قُلزُمِ کرم　　مُورِ ضعیف، مدحِ سلیمانؑ ذی حشم
یاں سب تعلّیاں شعرا کی فضول ہیں
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہہِ رسولؐ ہیں

اور اُس طرف کھُلے ہوئے ہیں فوج کے نشاں ۶۹ اس شان سے کھڑے ہیں علی اکبرِ جواں
شبیرؑ کے چراغ کو جلدی بجھاؤ، ہاں کہتا ہے ابنِ سعدِ ستمگارِ سخت جاں
صدمہ مفارقت کا امامِ زماں پہ ہو
دیکھیں حسینؑ اور سرِ اکبرؑ سناں پہ ہو

چپ رہ ارے مٹا نہ یہ تصویر بے نظیر ۷۰ کہتی ہے فوج سب کہ خدا سے ڈرا اے امیر
اس کے قدم پہ جاکے گریں سب جوان و پیر حاکم کے گر عتاب کا ڈر ہو نہ اے شریر
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا شقی نہیں
بتلا یہ کون ہے جو ہمارا نبی نہیں

کھا تو قسم، نہیں ہے یہ گیسوئے مصطفیٰؐ ۷۱ تیرے، ہمارے بیچ میں ہے رُوئے مصطفیٰؐ
ایسے نہ تھے ملے ہوئے ابرُوئے مصطفیٰؐ قامت ہے صاف قامتِ دلجُوئے مصطفیٰؐ
سب روشنی جمالِ رسولِ زمن کی ہے
جنگل بسا ہوا ہے یہ بو کس بدن کی ہے

ایماں کا جس میں خوف ہو اور آبرو کا ڈر ۷۲ کیوں ایسے امرِ زشت کا ہو مرتکب بشر
اُترا ہے آسماں سے ملک، وہ نہیں ہیں گر آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہیں سیّدُ البشرؐ
بے شک کرم کیا ہے رسالت پناہ نے
تجھ کو تو کور کردیا ہے حُبِّ جاہ نے

مجھ سے نشانِ خیرِ وَریٰ سن لو سربسر ۷۳ کہنے لگا یہ تب رؤسا سے وہ فتنہ گر
سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا خاک پر ہوتا نہ تھا مگس کا تنِ پاک تک گزر
ہوتا تھا دھوپ میں جو گزر اُس جناب کا
رہتا تھا فرقِ پاک پہ سایہ سحاب کا

اس راہ سے گزر تے تھے پیغمبرِ زماں ۷۴ پھولوں کی تین روز مہک رہتی تھی وہاں
محبوبِ کبریا ہیں اِرم میں، یہاں کہاں اکبرؑ ہے یہ حسینؑ کا فرزندِ نوجواں
محبوبِ کبریا نہیں، کوئی ملک نہیں
ہم صورتِ رسول ہیں، کچھ اس میں شک نہیں

بالفرض وہ نبی ہے تو پھر تم کو خوف کیا ۷۵ فرمان جو امیر کا، حاکم کی جو رضا
اکثر بہادروں نے رسولوں سے کی وغا پتھر سے توڑے گوہرِ دندانِ مصطفیٰؐ
درپے رہے جنابِ رسالت پناہ کے
تلوار ماری فرق پہ شیرِ الٰہ کے

اسلام کس کو کہتے ہیں، ایماں ہے کس کا نام ۷۶ بندے ہیں زر کے، ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
دشمن کی مدح، واہ یہ ہے کون سا کلام ہوتی ہے دیر جاؤ، یہ قصہ کرو تمام
گر یوں کروگے رحم ہر اِک نورِ عین پر
کیونکر چھری پھراؤ گے حلقِ حسینؑ پر

اکبرؑ کو غیظ آگیا سنتے ہی یہ کلام ۷۷ دی ابنِ سعد کو یہ صدا تول کر حُسام
یہ کیا کلام کرتا ہے تُو او نمک حرام لیجو زباں سے پھر نہ امامِ اُمم کا نام
اُن کے قدم پہ جنّ و ملک جان دیتے ہیں
نامِ حسینؑ 'صلِّ علیٰ' کہہ کے لیتے ہیں

سن کر صدائے شیر ہٹا فوج سے شریر ۷۸ یاں سے بڑھے تھے یہ کہ چلے اُس طرف سے تیر
صفدر نے لی نیام سے تیغِ قضا نظیر سمٹی زمیں، لرز نے لگا آسمانِ پیر
بجلی عیاں ہوئی غضبِ کردگار کی
یاد آگئی ہر اِک کو چمک ذوالفقار کی

پڑھ کر رجز دلیر در آیا سپاہ میں　٧٩　گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں
ہل چل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں　خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حُسام تھی
پہلے ہی وار میں صفِ اوّل تمام تھی

دوزخ میں ناریوں کے پرے پیش وپس گئے　٨٠　پانچ اس طرف پہنچ نہ سکے تھے کہ دس گئے
آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے　جب برقِ تیغ کوند گئی سر برس گئے
چھایا تھا ابرِ غم سپہِ بدصفات پر
غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کِشتِ حیات پر

جوہر شناسِ تیغِ زباں منہ اِدھر کریں　٨١　تیزی کو حرف حرف کی مدِّنظر کریں
دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں　مصرعے وہ جاں گزا ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں
بیتوں میں ذوالفقار کی سب آب وتاب ہے
بین السطور تیغِ حسینؑ کی تاب ہے

در پےَ تھی سرکشوں کے جو وہ تیغ جاں سِتاں　٨٢　گوشوں سے تھی بلند صدائے 'اماں اماں'
ترکش سے تیر بھاگتے تھے، تیر سے کماں　گردن سے سر، رگوں سے لہو اور بدن سے جاں
یارا عُقابِ تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن میں کہیں نشاں قدر انداز کا نہ تھا

قبضہ ہر ایک تیغ سے، ہر تن سے سر لیا　٨٣　برچھی سے پھل تو زینِ فرَس سے تبر لیا
ڈھالوں سے پھول لے لیے، پھولوں سے زر لیا　اپنا خراج تیغ نے ان سب سے بھر لیا
بہرِ حصولِ جزیہ جو وہ تیغ تُل گئی
اک اک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کھُل گئی

۸۴
کاٹے ہوئے پڑے تھے وہ ریتی پہ سر بسر
ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر
طاقت نہ تھی کہ شاخِ کماں تک کریں گزر
ہر اِک عقابِ تیر کے ٹوٹے ہوئے تھے پر
اس جنگ میں دہن کو نہ سوفار کھولے تھے
طائر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے

۸۵
ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف
پرکالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف
خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کمان کی

۸۶
گویا سموم، کوہ کے دامن سے آگئی
جی سنسنا گئے وہ جدھر سن سے آگئی
چمکی تو الاماں کی صدا رن سے آگئی
جلتے ہوئے کباب کی بُو تن سے آگئی
کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی
خوں میں زمیں بھی صورتِ بسمِل طپیدہ تھی

۸۷
اُڑتا تھا سر جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ
ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ
وہ معرکہ رہا اُسی گُل پیرہن کے ہاتھ
سب تھک گئے مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ
پہنچا تھا ہاتھ ہاتھ جو دستِ خدا کا زور
ہر ضرب میں دِکھا دیا خیبر کشا کا زور

۸۸
سچ ہے کہیں اُکھڑتے ہیں رُکنِ رکیں کے پاؤں
رن میں جمے تھے دلبرِ ضرغامِ دیں کے پاؤں
تھمتے نہ معرکے میں جو ہوتے زمیں کے پاؤں
دہشت سے اٹھ گئے تھے سپاہِ لعیں کے پاؤں
جس دم وہ حرب و ضرب اسے یاد آتی ہے
یہ زلزلہ نہیں ہے، زمیں کانپ جاتی ہے

دب کر سوار شام کے لشکر کے رہ گئے ۸۹ خالی صفوں میں سرد نفَس بھر کے رہ گئے
روحیں کہاں کی، ڈھیر تن و سر کے رہ گئے ہر چند سنگ دل تھے پہ مرمر کے رہ گئے
تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی لاش تھی
اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی

سر سے عدو کے خود جدا، تن سے سر جدا ۹۰ شانوں سے ہاتھ، ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا گھٹنوں سے ہر دو پائے ضلالت اثر جدا
ٹکڑے تھے عضو، قطع تھا جامہ حیات کا
عالم مرکّبات میں تھا مفردات کا

جس پر چلی وہ تیغ، فنا ہوکے رہ گیا ۹۱ سر تن سر، جسم سر سے جدا ہوکے رہ گیا
بڑھ کر تھمے تو حشر بپا ہوکے رہ گیا گردن سے تا کمر کوئی 'لا' ہو کے رہ گیا
تھا ایک ہاتھ میں سرِ اسوار زین پر
رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پر

سر سبز سب پہ تھا شجرِ گلشنِ رسول ۹۲ تھے زرد مثلِ برگِ خزاں دیدہ سب جھول
گرتے تھے باربار یہی تھا ثمر حصول برچھی سے پھل، کماں سے شاخیں، سپر سے پھول
زہراؑ کا باغ اُجاڑ کے راحت سے سوئے تھے
آخر اُگے نہ سب وہی کانٹے جو بوئے تھے

لکھتا ہے ادہمِ قلم اب سرعتِ عقاب ۹۳ نعل اس کے ماہِ نو ہیں، تو سُم رشکِ آفتاب
پستی میں سیل ہے تو بلندی میں ہے سحاب سُرعت میں برقِ گرم، روانی میں جوئے آب
اُڑنے میں اس فرَس کو پرندوں پہ اوج ہے
اک شور تھا قدم نہیں، دریا کی موج ہے

افزوں ہے زلفِ حور سے خوشبو اَیال کی ۹۴ دیکھیں تو لیں بلائیں سدا بال بال کی
پریاں خرامِ ناز میں شاگرد چال کی غصّے میں جست شیر کی، شوخی غزال کی
وہ حُسن تن پہ ساز کا، نقشہ براق کا
دُلدُل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

نازک مزاج و نسترن اندام و تیز رَو ۹۵ گردوں مُسِیر، بادیہ پیما و برق دَو
اس کا نہ اک قدم ، نہ زغندیں ہرن کی سو دو روز سے نہ کاہ ملی تھی اسے نہ جَو
رفتار میں ہوا تھا ، اشارے میں برق تھا
سُرعت میں کچھ کمی تھی، نہ چھل بل میں فرق تھا

صَرصَر سے تند، بُو سے سُبک رَو، ہوا سے تیز ۹۶ چالاک فہم و فکر سے، ذہنِ رسا سے تیز
طاؤس و کبک و نسر و عقاب و ہما سے تیز جانے میں اُڑ کے ہُدہُدِ شہرِ سبا سے تیز
ذی جاہ تھا، سعید تھا، فیروز بخت تھا
رہوار کیا، ہوا پہ سلیمانؑ کا تخت تھا

سمٹا، جما،اُڑا، اِدھر آیا، اُدھر گیا ۹۷ چمکا، پھرا، جمال دکھایا، ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا برہم کیا صفوں کو، پروں سے گزر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اس کی فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سروہی کا وار تھا

جب خوب لڑ چکا شہِ دیں کا سرورِ جاں ۹۸ نکلا اُدھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
بدکار و بد سرشت و بد آئین و بد زباں سرہنگ و جنگ جو و سِلحشور و پہلواں
غرّہ تھا اپنے زور پہ خانہ خراب کو
رستم کو مانتا تھا نہ افراسیاب کو

قوت میں عَمر و عنتر و مرحب کا یادگار ۹۹ افزوں تھا دیو سے بھی تن و توشِ نابکار
شیر آئے سامنے تو کرے تیر سے شکار اسفندیارِ عصر و نمودار و نامدار
شورش مزاج میں، تو ستم آب و گِل میں تھا
نے آنکھ میں حیا تھی، نہ رحم اس کے دل میں تھا

تھی روسیاہیٔ پسرِ سعد کی سپر ۱۰۰ بارِ گناہ حاکمِ فاسق تھا خودِ سر
پہنے تھا اس کے تن کی زرہ بر میں بدگہر ذی جوشنِ شقی کا جو تھا ناخلف پسر
ظاہر کماں سے سرکشیٔ بدنہاد تھی
قبضے میں تیغِ بدعتِ ابنِ زیاد تھی

تھرّائے قلب، ہل گئی سہراب کی لحد ۱۰۱ میداں میں یوں پڑھا رجز اس نے بہ شدّ و مد
یاں سے بڑھا سرورِ دلِ ضیغمِ صمد گرما رہا تھا رخش کو وہ بانیٔ حسد
پڑھتے دعا ملک عقبِ باد پا چلے
مرحب کے قتل کرنے کو شیرِ خدا چلے

یہ رشکِ آفتابِ درخشاں، وہ تیرہ شب ۱۰۲ وہ کفر تھا، یہ دیں تھے، وہ ظلمت، یہ نورِ رب
یہ خیر میں رسول، وہ شر میں ابولہب وہ ننگِ روزگار، تو یہ عزتِ عرب
کاذب تھا وہ شقی، یہ صداقت نشان تھے
وہ جسمِ کفر کا تھا، یہ ایماں کی جان تھے

او خوں گرفتہ کچھ تجھے دعویٰ ہے گر تو آ ۱۰۳ تازی کو تیز کر کے یہ غازی نے دی صدا
قائل ہیں جس کے سب وہ ہمارا ہے مرتبہ انساں کو اپنی آپ ستائش نہیں روا
ذی قدر ہیں، سعید ہیں، عالی جناب ہیں
ذرّے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں

۱۰۴ کب بدر نے کہا کہ میں ہوں صاحبِ کمال یوسفؑ نہیں ہے وہ جو کرے دعوئے جمال
کی سرکشی اِدھر کہ اُدھر آگیا زوال پایا ہے آفتاب نے کیا اوج، کیا جلال
شیطاں کو وصل نار کا، آدم کو نور کا
یہ عجز کا ثمر ہے، وہ پھل ہے غرور کا

۱۰۵ روشن ہے آفتاب سے اپنا حسب نسب ظالم کسی کے فخر کو ہم مانتے ہیں کب
ہم سے بزرگ کوئی نہیں غیرِ ذاتِ رب کس کا ہے جد شفیع اُمم، سیّدِ عرب
جو دوست ہے خدا کا، پسر اُس ولی کے ہیں
کافی ہے بس یہ فخر کہ پوتے علیؑ کے ہیں

۱۰۶ صفدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے شامی بڑھا اِدھر کو جو بھالا سنبھال کے
رہوار شیر بن گیا آنکھیں نکال کے مہمیز کی فرس کو جو کاوے پہ ڈال کے
سیماب ہو جو گرم تو پھر کیا قرار لے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اتار لے

۱۰۷ آگے بڑھا حسینؑ کا فرزندِ ارجمند پیچھے ہٹا جھجک کے جو خونخوار کا سمند
عقدے ہنر کے کُھل گئے بندھنے لگے جو بند دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند
لہراتے تھے ہوا سے پھریرے کُھلے ہوئے
دو اژدہے تھے جنگ کے اوپر تُلے ہوئے

۱۰۸ اَنیوں سے اُڑ رہے تھے شرارے کہ الاماں گہ ڈانڈ پر تھی ڈانڈ، سناں پر کبھی سناں
طاقت کا جائزہ تھا شجاعت کا امتحاں ہر طعن تھی غضب کی تو آفت کی ہر تکاں
یہ بھی عرَق میں، وہ بھی پسینے میں غرق تھا
پر زورِ ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا

زخمی کبھی گلا تھا، کبھی ہاتھ، گاہ سر ۱۰۹ کرار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب اِدھر
نیزے سے کارِ تیغ لیا، واہ رے ہنر ہشیار کرکے صَید کو جھپٹا وہ شیرِنر
سر بر بھلا ہوئے ہیں سخی سے دَنی کہیں
بُوری کہیں تھی، ڈانڈ کہیں تھی، اَنی کہیں

آنکھیں غضب سے سرخ ہوئیں مثلِ جامِ خوں ۱۱۰ گرزِگراں اٹھا کے بڑھا وہ سیہ دروں
ہر ضرب میں خفیف ہوا خود وہ ذوفنوں چلتا ہے کوئی سامنے اعجاز کے فسوں
تھا اِن کا ہاتھ فضل خدا سے علیؑ کا ہاتھ
بے زخم کھائے ہوگیا چھوٹا شقی کا ہاتھ

آیا مثالِ پیلِ قوی ہیکل و دماں ۱۱۱ ظالم نے گرز پھینک کے قبضے میں لی کماں
تھا سر پہ تیغ تول کے شہزادۂ جہاں چھوڑا شقی نے تیر سہ پہلو کہ الاماں
ضربت تھی یا کہ قہرِ خدائے قدیر تھا
گوشہ تھا، نے کماں تھی، نہ چلّا، نہ تیر تھا

او کج نہاد و سرکش وبدکیش و بے حیا ۱۱۲ رخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا
میداں سے بھاگتا ہے یہ ہے تیسری خطا کیوں سہمگیں ہے، کھینچ کے تلوار منہ پہ آ
تیغیں پکڑ کے جنگ وجدل پر تُلے نہیں
ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھُلے نہیں

دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بہ یک علم ۱۱۳ لی زرد رُو نے میان سے شمشیرِ برق دم
چالاکیاں دکھانے لگے اسپِ خوش قدم لکّے سیاہ ابرِ سپر سے اٹھے بہم
دونوں طرف ہوئی تگ ودَو کارزار میں
یہ گرد اُڑی کہ چھُپ گیا گردوں غبار میں

کِس کِس ہنر سے روکتے اس بے ادب کے وار ۱۱۴ چوٹیں ستم کی چلنے لگیں اور غضب کے وار
یاد آ گئے ہر اک کو امیرِ عرب کے وار اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار
رخ زرد تھا ہراس سے اس ہرزہ گرد کا
یاں ٹھاٹھ تھا علیؑ ولی کی نبرد کا

تیور وہی، حواس وہی اور وہی کمال ۱۱۵ شوکت وہی، شِکوہ وہی اور وہی جلال
دعویٰ نہ اس پہ کچھ، نہ تکبُّر، نہ قیل و قال تیغ و سپر میں شیرِ الٰہی کی چال ڈھال
نقشہ دکھادیا شہِ دُلدُل سوار کا
جب حرب کی تو نام لیا کرد گار کا

بھرتا تھا اژدہے کی طرح دم سیاہ کار ۱۱۶ ڈھالوں کے پُرزے ہوگئے پیہم رُکے جو وار
لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار
بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے
جس طرح زخمی صید دُبکتا ہے شیر سے

بس آگیا جلال میں شہزادۂ جہاں ۱۱۷ لایا کلامِ سخت جو لب پر وہ بد زباں
اُڑکر گیا فرس پہ سمندِ سُبک عناں دستِ اجل بڑھا کہ اٹھی تیغِ جانفشاں
گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آگیا
عُصفُور شاہباز کے پنجے میں آگیا

منہ پھر گیا طمانچۂ ضیغم سے دیو کا ۱۱۸ نے وہ تہمتنی تھی، نہ وہ زورگیو کا
کافر وہ تھا تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا ظالم شکار بن گیا گیہاں خدیو کا
نکلی بغل سے تیغ عجب کرّ و فر کے ساتھ
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا، ایک سر کے ساتھ

دیکھا جو باپ نے کہ پسر کو ہوئی ظفر ۱۱۹ بس جھک گئے زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
سجدے سے سر اٹھا کے پکارے بہ چشمِ تر یارب لڑا ہے تیسرے فاقے میں یہ پسر
قابو میں دل نہیں ہے، بہت بے قرار ہوں
ہاں تیرے رحم و لطف کا امیدوار ہوں

بہتر نہیں ہے اس سے مرے پاس کوئی شے ۱۲۰ مایا ہے تو یہ ہے، جو بضاعت ہے تو یہ ہے
گزری بہار زیست کی آیا زمانِ دَے اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
حُرمت سے اس پسر کی شہادت حُصول کر
یارب فقیر کا ہے یہ ہدیہ قبول کر

مقبول جس طرح ہوئی قربانیٔ خلیلؑ ۱۲۱ اُس طرح سرفراز ہو یہ بندۂ ذلیل
دُنبہ وہاں بہشت سے لائے تھے جبرئیلؑ میں اس کا مُلتجی نہیں اے خالقِ جلیل
اُمّت بھی بخشی جائے، پسر بھی سعید ہو
مقبول ہو اگر یہ ذبیحہ تو عید ہو

مصروف تھا دعا میں اُدھر فاطمہؑ کا لال ۱۲۲ ڈوبا ہوا تھا فوجِ عدو میں وہ نونہال
بڑھ کر وغا کرے یہ کسی کی نہ تھی مجال لاکھوں سے معرکہ تھا، ہزاروں سے تھی جدال
سوکھے تھے ہونٹ، رنگ بھی فاقوں سے زرد تھا
بازو تھکا ہوا تھا، کلائی میں درد تھا

یہ دیر سے لڑے ہوئے، وہ فوجِ تازہ دم ۱۲۳ فاقوں کا ضعف، پیاس کا صدمہ، پدر کا غم
ہاتھوں کا زورکم ہوا جاتا تھا دم بہ دم پر کھیت میں جمے ہوئے تھے شیر کے قدم
آنکھیں تو سرخ، غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
طاقت گھٹی ہوئی تھی پہ ہمّت بڑھی ہوئی

نکلا پرے سے ایک جفا کاروکینہ خواہ ۱۲۴ تھا کید میں خلیفۂ شیطانِ رُوسیاہ
چلّایا دیکھ کر طرفِ بارگاہِ شاہ آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
اس نوجواں کے ہجر میں آخر نہ کل پڑی
لو گھر سے بنتِ فاطمہؑ زہرا نکل پڑی

تھاعشق سے پھوپی کےتو واقف وہ لالہ فام ۱۲۵ گھبرا گیا حسینؑ کا فرزندِ نیک نام
گردن پھرا کے جلد نظر کی سوئے خیام منہ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
برچھی کسی کی سینۂ انور پہ چل گئی
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا تھام کرجگر ۱۲۶ فرمایا آہ ہم کو دغا کی نہ تھی خبر
سب ہوگئے وہ دستِ بلوریں لہو میں تر رہوار سے لپٹ گئے ہرنے پہ رکھ کے سر
جز بیکسی نہ تھا کوئی اس ماہ رُو کے ساتھ
ٹکڑے کبد کے زخم سے نکلے لہو کے ساتھ

لیتا تھا غش میں ہچکیاں وہ چودھویں کا ماہ ۱۲۷ جو گرز فرقِ پاک پہ مارا کسی نے آہ
بیٹھا گلے پہ تیر کہ حالت ہوئی تباہ رہوار سے گرا پسرِ شاہِ دیں پناہ
بنتِ رسولؐ رونے کو منہ ڈھانپنے لگی
تڑپا وہ نوجواں کہ زمیں کانپنے لگی

سر کاٹ لو یہ غل جو لگے کرنے اشقیا ۱۲۸ گردن سے تیر کھینچ کے باباکو دی صدا
اے نورِ عینِ فاطمہؑ اے سبطِ مصطفیٰؐ اے بحرِ فیض اے قمرِ بُرجِ ھل اتیٰ
جلد آیئے غلام پہ احسان کیجئے
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجئے

جس دم سنی حسینؑ نے یہ جاں گزا صدا　۱۲۹　صابر اگر چہ تھے پہ کلیجہ الٹ گیا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا　نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کروں میں کیا
مل کر غریب وبیکس و تنہا سے جائیو
آلے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو

ہے ہے مرے شفیق پسر مہرباں پسر　۱۳۰　خوش رُو پسر، سعید پسر، قدرداں پسر
مادر کا چین، باپ کا آرامِ جاں پسر　کم گو پسر، شہید پسر، نوجواں پسر
مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہیں مجھے
اے نورِ عین کچھ نظر آتا نہیں مجھے

مجھ کو غریبِ دشتِ بلا کہہ کے پھر پکار　۱۳۱　اک بار یا شہِ دو سرا کہہ کے پھر پکار
اے شیر! سیّدُ الشُّھدا کہہ کے پھر پکار　صدقے ہو باپ، 'یا اَبَتا' کہہ کے پھر پکار
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائے گی
مرجاؤں گا یہیں جو نہ آواز آئے گی

کچھ ہوش دست و پا کا نہیں، بےحواس ہوں　۱۳۲　زخمی ہے قلب، کُشتۂ اندوہ و یاس ہوں
غمگیں ہوں، مُردہ دل ہوں، حزیں ہوں، اداس ہوں　دم توڑو تم تو ہے غضب اور میں نہ پاس ہوں
کیوں کر قرار آئے دلِ ناصبور کو
لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے آنکھوں کے نور کو

ناگاہ آئی حضرتِ زہراؑ کی یہ صدا　۱۳۳　ہے ہے حسینؑ تیرے تڑپنے کے میں فدا
دم توڑتا ہے گود میں میری یہ مہ لقا　جان اس کی تجھ میں اٹکی ہے اے میرے دلربا
دیکھے یہ تم کو تم اسے اک بار دیکھ لو
آؤ پسر کا آخری دیدار دیکھ لو

چلّائے سر کو پیٹ کے شبیرؑ نامدار ۱۳۴ امّاں خدا کے واسطے اکبرؑ سے ہوشیار
جویا ہوں ان کا میں، انھیں میرا ہے انتظار کہہ دیجئے کے آتا ہے بابا جگر فگار
عاشق کا حال دیکھ لیں کچھ بات کر کے جائیں
دنیا سے کوچ ہے تو ملاقات کر کے جائیں

دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطانِ بحر و بر ۱۳۵ بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
اُٹّھا یہ دل میں درد کہ خم ہوگئی کمر دیکھا جو زخم، منہ کے قریب آگیا جگر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیرؑ مر گئے

ہوش آیا تین ساعت کامل کے بعد جب ۱۳۶ دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہہِ رسولِ رب
آنسو بہا کے رکھ دیئے بیٹے کے لب پہ لب چلّاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو، ہے غضب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو
باہیں اٹھا کے باپ کی گردن میں ڈال دو

بابا سے کوئی بات تو اے مہ لقا کرو ۱۳۷ غفلت کا وقت یہ نہیں، ذکرِ خدا کرو
اینٹھی ہے گر زبان تو آنکھوں کو وا کرو صدقے پدر، اشارے میں مطلب ادا کرو
دادی کے پاس چشمۂ کوثر پہ جاتے ہو
حوروں سے باتیں ہوتی ہیں جو مسکراتے ہو

اکبرؑ نے آنکھیں کھول دیں، دیکھا رخِ پدر ۱۳۸ گالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے اِدھر اُدھر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سرِ پسر روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر
یاں سے اٹھا کے آلِ پیمبرؐ میں لے چلوں
غم ماں کا ہے تو آؤ تمھیں گھر میں لے چلوں

کی عرض مہلت اتنی کہاں ہے شہِ اُمم ۱۳۹ اب کیجیے قبلہ رُو، کہ نکلتا ہے تن سے دم
دولت ملی کہ دیکھ لئے آپ کے قدم غیر از غمِ فراق مجھے کچھ نہیں ہے غم
ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دُور ہیں
روتا ہوں اس لئے کہ اکیلے حضور ہیں

شہ نے کہا مِرے لئے بیٹا نہ روؤ بس ۱۴۰ ہوگا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا پیش و پس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہوس میرے لئے ہے اب دمِ خنجر ہر اِک نفس
اکبرؑ ترے الم سے جگر چاک چاک ہے
جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

بتلاؤ کس امید پہ یہ نیم جاں جیے ۱۴۱ افسوس شیر قتل ہو اور ناتواں جیے
دنیا میں جس کا تم سا نہ کڑیل جواں جیے وہ باپ کس طرح جیے، کیونکر وہ ماں جیے
پہلے نہ ہم گزر گئے شرمندگی یہ ہے
ہم دونوں ایک ساتھ مریں زندگی یہ ہے

یہ بات سُن کے لینے لگا ہچ کیاں پسر ۱۴۲ سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بہ سر دو بار لی کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
دنیا سے انتقال ہوا نورِعین کا
ہنگامِ ظہر تھا کہ لٹا گھر حسینؑ کا

نکلی اِدھر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار ۱۴۳ یاں بیبیاں ہوئیں درِخیمہ پہ بے قرار
فضّہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر یہ ایک بار اکبرؑ پہ کیا گزر گئی یا شاہ نامدار
چھریاں غم و الم کی کلیجے پہ چلتی ہیں
جلد آیئے کہ حضرتِ زینبؑ نکلتی ہیں

گھبرا کے شاہِ دیں نے اٹھائی پسر کی لاش ۱۴۴ لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش
لائے قریبِ خیمہ جو اس سیم بر کی لاش　غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قمر کی لاش
زہراؑ کی بیٹیاں جو کھلے سر نکل پڑیں
سب بی بیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

سر ننگے شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام ۱۴۵ تھے بیچ میں شہید کا لاشہ لیے امام
بانوؔ پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام　جیتا ہے یا جہاں سے گیا میرا لالہ فام
منکا ڈھلا ہے، ہونٹوں پہ سوکھی زبان ہے
اے جانِ فاطمہؑ مرے بچے میں جان ہے

زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی باربار ۱۴۶ یہ لاش میری گود میں دیجے بہن نثار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہِ نامدار　صدقے گئی لرزتا ہے فاقوں سے جسمِ زار
شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھ سے بہن نہ اُٹھے گا لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمے میں لائے امامِ پاک ۱۴۷ مسند رسولِ حق کی بچھائی بہ رُوئے خاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کہ آہِ درد ناک　دل بیبیوں کے ہوگئے سینے میں چاک چاک
پہلے گماں تھا غش ہیں، وغا کر کے آئے ہیں
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہیں

لاشے کے پاس ہائے پسر کہہ کے ماں گری ۱۴۸ ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھوپی نیم جاں گری
دل پر ہر اک کے برقِ غمِ نوجواں گری　غش ہو کے یاں گری کوئی اور کوئی واں گری
چھوٹی بہن جو لاشے سے آ کر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا صفِ ماتم اُلٹ گئی

لکھّوں حرم کے بین تو ہوتی ہے اک کتاب ۱۴۹ بس اے انیسؔ اب نہیں آگے بیاں کی تاب
جلدی مدد کریں گے شہِ آسماں جناب گر قدرداں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب

تو ذاکرِ حسین علیہ السلام ہے
تیری اُنھی کو فکر ہے جن کا غلام ہے